

کے طور پر کیک کو احتیاط سے کاٹا — ایک مختصر دعا کی اور ہاتھ لہرا کر منتظر آنکھوں  
 ”پلیز“ کہا۔ اس ”پلیز“ کہنے پر نزدیکی کچی آبادی کے غریب غریبا عیسائی مکین جنہیں  
 غریب غریبا پاکستانی بھی پاس نہیں بیٹھنے دیتا تھا کیونکہ اُس کے نزدیک وہ پاک صاف تھا  
 چوڑے تھے اور اگر وہ مسلمان ہو جائیں تو بھی مصلیٰ ہی رہتے تھے۔ تو یہ ہلکے کرتی  
 ہینڈ بیگوں اور ڈرنٹی پنک ربیوں والی لیڈیاں اور چڑے ہوئے بالوں اور تیکھی مونچھوں  
 دراوڑی یا بھیل ناک اور ٹھوڑیوں والے جنٹلمین کرسمس کیک پر باقاعدہ پل پڑے۔  
 رازنی ایک گاڈفیرنگ پادری تھا اس لیے کچی آبادی سے جمع کیے گئے بھینٹوں  
 Meek گلے کے سامنے سرمن دینے سے پیشتر ایک کریم کیک وہ عام دنوں میں بھی رکھ  
 اس آسانی وعدے کے ساتھ کہ یہ سرمن کے بعد سرو ہو گا اور بھینٹوں کا گلہ آسانی  
 کی حکایتوں کی نسبت کریم کیک میں زیادہ دلچسپی رکھتا — ایک خاکروب، ایک چوڑا  
 کے نزدیک سے گذرتے ہوئے پار سا ذرا چلک کر گذرتے تھے کہ اُس کے لباس کا کوئی  
 انہیں چھو نہ جائے اور تادیر دیکھتے نہ تھے کہ نظریں پلید نہ ہو جائیں — اتنی عزت  
 اتنے احترام والا شخص اگر کسی صاف ستھرے ڈرائنگ روم میں مدعو ہو اور اُسے وہ  
 کھانے کا چائس بھی نصیب ہو جسے وہ جھاڑو دیتا ہوا راحت بیکری کے شوکیس میں دیکھ  
 تھا اور اگر بالفرض محال اس کی جیب میں اتنی رقم جمع ہو جاوے کہ وہ کیک کھاوے تو  
 طرح کھاوے — اُسے تو بیکری میں کوئی گھسنے نہیں دیوئے اور صرف سوئڈن کا صاف  
 اُسے قالین پر بٹھا کر یہ کیک کھاوے —

”سوری —“ رازنی پیسہ پونچھتا ہوا ایمان کی تازہ کمائی میں مطمئن اُن کی طر  
 آگیا۔

مشاکلہ نے کچھ نہیں کہا صرف اپنا خالی گلاس بلند کر کے ایک اور ”سکول“  
 دیا۔

”سوری —“ رازنی ایزبرگ المعروف پو نے پھر کہا اور لونگ روم میں جا کر کم  
 بورڈ میں سے لہرے سبز رنگ کی ایک بوتل اور نکال کر لے آیا۔

اور رازنی ایزبرگ اس لیے المعروف پو تھا کہ مشاہد کے ایک اندرون شر  
 دوست نے اُس کی بلند فامی اور اُس قاسمی میں چلک کے تناسب سے اُسے ایک ایسے  
 گڈے سے تشبیہ دی تھی جس کا تیر نرم ہوتا ہے اور وہ آسانی سے لف جاتا ہے۔

اُڑتا ہے تو ذرا مہما ہے اور دوہرا ہو جاتا ہے اور پو کہلاتا ہے۔ راڈنی چلتے  
 دے ختم کھانا تھا اور دوہرا ہوتا تھا اور اسی لیے وہ المعروف پو تھا۔  
 باہر سرا کی پہلی بارش کی بوند باندی کا آغاز ہو چکا تھا۔

ایک کے ڈرے اُن کی مونچھوں پر یا گہری سرخ لب شکوں پر... اب انہیں  
 لیے لائن کے پہلو میں اپنے کچے کیچڑ بھرے ٹپکتے کوٹھوں میں واپس جانا تھا۔ کرمس کے  
 منتظر ہی مون ختم ہو چکا تھا۔ انہیں واپس جانا تھا کہ راڈنی، مشالک اور صوفے پر بیزار  
 بنا پاکستانی بھی منتظر تھے کہ وہ ایک تو کھا چکے ہیں اس لیے — میری کرمس — اب  
 میں اپنی کچی اور کیچڑ آبادی میں — اُن کی ایک خاص بو والی رفاقت تادیر نہیں سہی جا  
 تی۔ وہ ذرا جھجکتے ہوئے آسائش میں ایک اور بس ایک اور سانس لیتے ہوئے، قالین  
 بازی کو پاؤں کی یاد بناتے ہوئے — روشنیوں میں ایک دوسرے کو دیکھتے ہوئے —  
 لٹے۔ راڈنی کا شکریہ ادا کیا — مہربانی جی۔ صاحب جی تھینک یو... تے پیپی کرمس

کرمس کا اختتام نہیں ہوا تھا لیکن اُن دیکھے جھازوں پر اُن کی گرفت مضبوط  
 تھی کہ یہی آخر تھا — عیسائی یا مصلیٰ — یہی آخر تھا۔

وہ سب اس آسائش بھرے گھر کو بھاری قدموں سے خالی کر گئے۔  
 ”سکول —“ راڈنی نے بھی ایک سانس اطمینان کا لیا اور وائن کا گلاس اٹھایا  
 برے سب سے پہلے پاکستانی دوست کے لیے — ”سکول“

”سکول —“ مشاہد نے اپنے سامنے بیٹھے پُر اعتماد اور پاپولر پادری کی طرف دیکھ  
 رکھا۔

اور صرف ایک برس پیشتر —

دھوپ میں جلتے صحن میں کھلے دروازوں کے آگے ایستادہ خُس کی ٹیوں پر وہ  
 لگا ہوئی بانٹی میں سے ڈونگے بھر بھر کے ڈال رہا تھا تاکہ اُن میں مہک آوے —  
 نڈک جنم لیوے اور اُس کی آپاجی... باجیاں اور مردان آرام سے گرمیوں کی دوپہر میں  
 لایا۔ پہلے یہ ڈیوٹی اباجی کی ہوتی تھی... اُن کی وفات کے بعد، اب اُس کی تھی —

وہ آخری ڈونگا خُس کی چک پر نچھاور کر کے اندر جانے کو تھا جب نیچے سے لکشمی  
 فٹن کے فلیٹ نمبر ۱۷ کے نیچے سے گلی میں سے ایک آواز آئی۔ اُسے شاہہ ہوا کہ اُس کا

نام لیا گیا ہے لیکن اس ویران گرمی میں کون ہو سکتا تھا اور اُس نے لاپرواہی کی اور جانے کو تھا جب ایک اور آواز گرمی اور بخارات کے ساتھ اٹھتی ہوئی اس تک پہنچتی یقیناً کوئی اسے بلاتا تھا۔

اُس نے اُن گملوں کے بیچ میں سے جھانک کر دیکھا جن کے بیچ میں سے بڑے سے کئی برس پہلے... کئی برس تو نہیں صرف چھ برس پہلے اُسے سمیعہ کا ابھرتا ہوا بدن تھا — اب وہ پتہ نہیں کہاں تھی... وہاں نئے کرائے دار آچکے تھے۔

نیچے گلی میں ایک غیر ملکی لڑکا منہ کھولے اوپر دیکھ رہا تھا اور اوپر گملوں کے درمیان سے نیچے دیکھتے مشاہد کو وہ دھوپ کی شدت کی وجہ سے دیکھ نہیں پا رہا تھا۔ وہ باؤن سیڑھیاں اتر کر... نیچے چلا گیا ”لیس —“

باریش لڑکے کا منہ ابھی تک کھلا تھا... اور وہ اوپر دیکھ رہا تھا۔ مشاہد کے کہنے پر چونکا اور اُس کے قریب آگیا ”میرا نام راڈنی ہے... آئی ایم اے سویڈ — آپ ہی مشاہد ہیں؟“

”میں ہوں —“

”بہت خوشی ہوئی آپ سے مل کر —“ اُس لم ڈھینگ راڈنی نے کہا۔  
 ”میں آپ کے لیے کیا کر سکتا ہوں؟“ مشاہد ابھی تک ذرا صاحب لوگ تھا۔  
 ”وہ... کیا یہ ممکن ہے کہ ہم... کسی جگہ اطمینان سے بیٹھ کر بات کر سکیں۔ بہت درخواست کرتا ہوں اور لجاجت آمیز لہجے میں کہنے لگا۔

”اوپر آ جائیں —“

فلیٹ نمبر ۱۷ کی باؤن سیڑھیاں طے کرنے کے بعد وہ سانس لینے کے لیے ڈگ “بہت بلند —“

”جی فرمائیے —“ جونہی وہ بیٹھک کے اندر داخل ہوا مشاہد نے پوچھا۔  
 ”کیا میں — بیٹھ سکتا ہوں۔“

”ہاں —“

”آپ امبر تو کو جانتے ہیں؟ وہ اطالوی ہے اور نو بیگم میں آپ کے ساتھ رہا ہے —“

”برقو —“ ابھی تو ایک برس بھی نہیں گزرا تھا اور ابھی سے انگلستانی رہتا

”ہم ذہن سے اُترنے لگے تھے — ”ہاں امبر تو — میں اُسے جانتا ہوں۔“  
 ”اُس نے مجھے آپ کا پتہ دیا تھا —“

مشاہد چپ رہا۔ اتنی گرم دوپہر میں ایک بارلش غیر دلچسپ غیر ملکی کو وہ کیا کرے۔  
 ”ویل —“ راؤنی ذرا سا کھانا ”میرا باپ پادری تھا اور میں... میں بھی کسی حد  
 ہی ایک پیرچر ہوں تو یہاں لاہور میں مجھے ایک سویڈش سکول میں ٹیچر کے طور پر ملازمت  
 مل گئی ہے... چنانچہ یو سی اب میں ایک پیرچر ٹیچر ہوں یا — ایک ٹیچر پیرچر ہوں... ہاہا“ اُس  
 نے ذرا فزنی ہونے کے لیے ایک مختصر سا قہقہہ لگایا اور مشاہد کے چہرے پر اُس کی وجہ سے  
 کوئی تبدیلی نہ پا کر فوراً کہنے لگا ”در اصل میں جانتا نہیں کہ کہاں سے شروع کروں۔“  
 ”کیس سے بھی —“ مشاہد جلد از جلد اس سویڈش مولوی سے چھٹکارا حاصل  
 کرنا چاہتا تھا۔

”امبر تو میرے ایک اطالوی دوست کا کزن ہے اور جب کبھی میں انگلستان جاتا تھا تو  
 اُس کے ساتھ مذہب پر طویل بحثیں ہوتی تھیں — وہ ایک متعصب یہودی ہے اور میں  
 — ”وہ شرمندگی سے مسکرایا ”میں ایک متعصب عیسائی لیکن ہم ایک دوسرے کا نکتہ نظر  
 کے دل سے سنتے تھے تو اس دوران مجھے یہ ملازمت مل گئی لاہور میں — اور مجھے لاہور  
 کے بارے میں کچھ علم نہ تھا کہ کیا ہے اور کہاں ہے — مجھے لاہور کی بجائے ٹمبکٹو کا زیادہ  
 پتہ تھا چنانچہ میں بہت فکر مند تھا — کیا وہاں ہاتھی ہوں گے — کیا وہاں بجلی ہے —  
 ٹانڈ وہاں اور یہ بات میں غیر سنجیدگی سے کہہ رہا ہوں کہ وہاں جنگلی ہوں تو اُن کے لیے  
 کچھ آئینے، شوخ لباس یا لائسنز وغیرہ لے جاؤں انہیں متاثر کرنے کے لیے... پھر ایک بحث  
 کے دوران میں نے یونہی امبر تو سے تذکرہ کیا تو وہ کھل اٹھا اور کہنے لگا ”نو پر اہلم...“ مثیل  
 رہا ہے — لاہور میں — تو اُس نے مجھے آپ کا ایڈریس دیا تو — کیا آپ مجھے ایک  
 گلاس پانی دے سکتے ہیں۔ یہاں، لاہور میں گرمی ذرا زیادہ ہے —“  
 مشاہد پانی کا گلاس لے آیا۔

”اُس سے میرا پیٹ تو خراب نہیں ہو گا؟“

”پتہ نہیں —“

”سکول —“ اُس نے پانی کا گلاس ڈیک لگا کر پیا اور تپائی پر رکھ دیا۔

مشاہد اُن دنوں ابھی بہت بے سکون تھا... بہت بے سمت اور اکھڑا ہوا تھا — وہ

والد کی موت کے صدے کے بوجھ تلے — انگلستان سے واپس تو آگیا تھا لیکن ثقافت کی جڑیں بہت دور تک جا چکی تھیں اور وہ اپنے آپ کو اُس چار پخیرے میں غیر موزوں پاتا تھا۔ بہت جبر کے ساتھ اُس نے گوجرانوالا کی ایک ہوزری فیکری ملازمت کی... چند روز کے لیے اور پھر سوت کے غبار سے، گرمی سے اور مالک کی جہا سے تنگ آ کر لاہور واپس آگیا۔

مشاہد اُن دنوں بہت بے سکون اس لیے بھی تھا کہ اُسے اپنے لیٹر بکس میں ایسا لفافہ دکھائی دیا تھا جس پر انگلستان کے ڈاک ٹکٹ چسپاں تھے لیکن اُس میں کوئی خالی تھا — صرف ایک تصویر تھی... بابو راؤ پٹیل کی اور — فاطمہ کی!

بابو ایک ٹمکیڈو میں چوڑی بوٹائی سمیت، پورے دانتوں کی مسکراہٹ پر کیمرے کے لینز میں دیکھتا ہوا اور اُس کے بازو پر ہاتھ رکھے فاطمہ — دلدنوں کے روا سفید لباس میں اور وہ بھی کیمرے کے لینز کے اندر، بہت اندر اپنے سیاہ بالوں اور بڑی آنکھوں سے دیکھتی اور اتراتی ہوئی.. لیکن وہ اُس لمحے صرف مشاہد کو دیکھ کر کہہ رہی — اب تم کیا کہتے ہو؟

تصویر کی پشت پر ایک مختصر عبارت تھی — ہم اب میاں بیوی ہیں۔ شادی ہندو رواج کے مطابق ہوئی۔ میں اب اوشا ہوں — فاطمہ نہیں — اب تم کیا کہتے ہو؟

چنانچہ مشاہد اُن دنوں بہت بے سکون تھا۔ اور اس بے سکون کیفیت میں اگرچہ یہ لم ڈھینگ لڑکا ایک تازہ ہوا کا جھونکا تھا لیکن ایک فرار ایک تبدیلی ضرور تھا چنانچہ اُس نے کچھ بے جا التفات کا اظہار کیا اُسے لاہور کے تاریخی مقامات دکھانے پر اصرار کیا۔

”میں بہت زیادہ شکریہ ادا کرتا ہوں —“ راؤنی بہت فرمانبرداری سے ”لیکن پہلے میں... کیتھڈرل اور سینٹ انتھونی چرچ دیکھنا پسند کروں گا... اور مجھے معلوم ہے کہ وارث روڈ پر ایک پادری تاک کشمیری ہے جو شعر بھی کہتا ہے تو کیا ہے؟“

تقریباً ایک برس تک وہ راؤنی ایزبرگ کو ایک نو مولود بچے کی طرف اٹھاتا — اور یہ بچہ ہمکتا ہوا ہمیشہ اُس کا شکر گزار ہوتا — ایک روز یہ بچہ بڑا ہو گیا۔

آئی مین لان پاکستان... یا شاید سویڈن میں بھی کوئی میرا اتنا نزدیک دوست  
 دلی میں میرے والد کے ایک دوست پریسٹ ہیں اور اُن کی بیٹی مشالہ —  
 کوئی فیصلہ نہیں ہوا لیکن وہ خاص طور پر پاکستان آ رہی ہے اور آپ بے میری  
 کسی فیصلے پر پہنچنے کے لیے —“  
 لاہور ایئرپورٹ...

ایک بے چین گرمی والی دوپہر میں... اور لوہے کے ایک جنگلے کے ادھر آپ ہیں  
 راہزن دے ہے جس پر جہاز چلا آ رہا ہے اور اُس کے پنکھوں کی ہوا بھی گرم ہے اور  
 تاخیر ہے کہ آپ کی پتلون میں اڑی ہوئی قمیض نکل نکل جاتی ہے۔ اگر آپ زیادہ بے  
 تاب ہیں تو وہ تین فٹ کا جنگلا پھلانگ کر باسانی جہاز تک چلے جائیں اور اپنے عزیز یا  
 بہن کو بغض نفیس سیڑھیوں کے قریب جا کر خوش آمدید کہہ لیں... سیکورٹی کا کوئی وجود  
 لاہور ایئرپورٹ کے اکاؤنٹا ہلکار آپ کی اس بے چین لاقانونیت کو نظر انداز کر دیں

مشالہ، سکیڈے نیوین... بھرے بدن، سنہری بالوں اور بے باک مسکراہٹ کا  
 تھی۔

وہ جب اُن کی جانب چلتی ہوئی آ رہی تھی تو کچھ مسافر اپنے سفر کو بھول کر اُس  
 خرمی لڑکی کو دیکھتے تھے جو اپنے متوقع منگیتر کی طرف بڑھ رہی تھی اور متوقع منگیتر کے  
 لیے ایک پاکستانی لڑکا اُسے دیکھتا تھا۔

اُس میں... مشالہ میں ایک بھولپن اور ایک اُداسی تھی جو دل پر فوراً اثر کرتی

”راڈنی تم بہت خوش قسمت ہو گے اگر...“

اُن کی چرچ ویڈنگ اگرچہ دلی میں ہوئی لیکن — اُسی روز لاہور واپس — کچی  
 لاہور کے ریلوے لائن کے ساتھ ساتھ چلتی تھی اس کے قریب ایک پُر آسائش گھر میں  
 بہن بخشی سے کارمند اخلاقیات اور کسی بھی اور حقیقت یا سچ سے نا آشنا ناواقف لڑکی

”یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک منزل تک پہنچنے کے مختلف راستے ہوں — نہیں  
 صرف ایک ہی راستہ ہے — عیسائیت کا — اور وہ بھی ہمارے فرقے کا۔“

”اور تمہارا فرقہ کیا ہے —“

راڈنی ایز برگ المعروف لیو اے بہت عرق ریزی سے سمجھاتا کہ ہم سمجھتے ہیں کہ روز قیامت حضرت عیسیٰ دنیا کی تمام زبانوں میں گفتگو کریں گے اور ہماری بخشش کا سبب بنیں گے اور اس کے علاوہ اگر کوئی شخص کچھ اور یقین رکھتا ہے تو وہ یقیناً غلط راستے پر چل رہا ہے —“

”نہیں —“ مشاہد کبھی سنجیدہ کبھی مسکراتے ہوئے — ”پادری جی منزل ایک ہے لیکن... راستے مختلف ہیں، عنب، نرم، انٹافل اور انگور — ترک، یونانی، ایرانی اور پاکستانی ایک ہی شے کی طلب میں ہیں... تکرار اور جھگڑا کرنے کی کیا ضرورت ہے... رائے جدا ہیں اور پہنچنا وہیں ہے —“

راڈنی اس کی لاعلمی اور بے راہ روی پر دائرہ کھینچتا اور پھر کف افسوس ملتا۔ اُس میں اپنے عقیدے کا استحکام اور ایک خاص معصوم جہالت تھی جو مشاہد کو بڑی لگتی۔ کوئی بھی شخص اگر کو میٹڈ ہو تو وہ معصوم جہالت سے متبرائے نہیں ہوتا — اور آج کرسمس تھی —

شرمیونخ میں ہی نہیں شرلاہور میں بھی آج کرسمس تھی اور مشاہد ایک بچہ پچیس دسمبر گھر میں گزارنے کی بجائے اُس کے ہاں چلا آیا تھا اور وہاں راڈنی کچی آبادی کا بھڑوں کا مجمع لگائے ساڑھا یسوع آج آیا سی — الاپ رہا تھا اور مشالکہ بار بار اپنا غا گلاس اٹھاتی تھی اور اُس کے پینڈے کو بغور دیکھ کر میز پر واپس رکھ دیتی تھی...

باہر جو سرما کی پہلی بارش ہو رہی تھی اُس میں شور اس لیے بھی کم تھا کہ آس پار آبادی کم تھی اور جو تھی وہ کچے کوٹھوں کی تھی جن پر بارش برسے تو شور نہیں کرے بے آواز گرتی ہے... ڈیوڈ گیل کی بھی آج کرسمس تھی لیکن وہ صاحب اور بیگم صاحبہ خبر گیری کے لیے ابھی تک آس پاس منڈلاتا تھا... اس متوذب منڈلانے سے اسے آؤن کا ایک گلاس مل جاتا تھا اور اوؤن میں مشالکہ نے ٹولٹن مارکیٹ کی برڈ مارکٹ خرید کی ہوئی جو ٹرکی روسٹ ہونے کے لیے رکھی ہوئی تھی اس میں سے بھی مناسب ملنے کی اُمید تھی لیکن وہ مشاہد کو راڈنی صاحب کے دیگر تمام پاکستانی دوستوں کی طرح خنایند کرتا تھا۔ وہ سویڈش صاحب کی قربت سے اپنے آپ کو مقامی لوگوں سے پرہیز سمجھتا تھا۔ مشاہد جب کبھی ملاقات کے لیے آتا تو دروازہ کھلتا اور پہلا تاثر کسی بھی مسئلہ

لے آئی تھیں والا مسکراہٹ سے لبریز ہوتا لیکن اُسی لمحے ڈیوڈ گیل کا جبراً اپنے سامنے کسی کی بجائے کالے کو دیکھ کر لٹک جاتا... صاحب باہر گیا ہے — کتنے بجے آئیں گے؟ نہیں — اور دروازہ بند — لیکن آج ڈیوڈ گیل بھی دوستانہ موڈ میں تھا کیونکہ بی بی لائن کے علاوہ یہاں آنے سے پیشتر اس نے اپنے ریلوے کواٹرز میں مقامی شراب کا کوارٹش کیا تھا — ڈیوڈ گیل پاکستان ویسٹرن ریلویز میں خاکروب کا عہدار رکھتا تھا اور بے پاس بقول اُس کے ”پاٹ ٹیم“ تھا۔

مشائل کا گلاس چونکہ اب اس کی خواہش کے عین مطابق لبریز ہو چکا تھا اس لیے آٹکھوں میں چند ستارے تھے — ”سو — مہیل... اب تم شادی کب کر رہے اس نے گھونٹ بھرنے سے پیشتر دو سرخ رنگ کی لامبی موم بتیاں روشن کیں، گلاس کے اس کے اندر لہرس لیتے ہوئے مشروب کو طمانیت سے دیکھا اور کچھ ہنسی۔ راڈنی نے یہ سوال سن کر داڑھی میں کھجلی کر کے ایک مدبّر سی شکل اختیار کر لی۔

”ہم خود شادی نہیں کرتے —“

”ہائیں —“ مشائل نے اُنکی اٹھا کر اس کی ناک کے عین سامنے لہرائی اور پھر ”تم یہ نہ کہنا کہ ایک عدد برائڈ تمہارے لیے چنی جائے گی اور تم اُسے دیکھے یا جانے لے کے ساتھ شادی کر لو گے —“

”جی ہاں کہہ رہا ہوں —“

”ہائیں —“ مشائل کی ہنسی میں خمار گھلتا تھا۔

اڑش کے مدھم شور کے ساتھ بادلوں کی گرج کی گہری گونج ریلوے لائن کے پار دیکھتے اس پر آسائش گھر کے اندر تک آتی تھی جس کے دروازے کے قریب اب بھی مقامی صاحب کو گورا لوگوں کی رفاقت اور دوستانہ رفاقت میں دیکھ کر کچھ راتھا۔

”بھئی نہیں بھی ناراض رہتی ہیں لیکن... میرا کوئی مناسب روزگار نہیں ہے۔ اگر شادی کر لوں تو کھاؤں گا کہاں سے —“

”تم ادھر آؤ —“ راڈنی نے ایسے کہا جیسے کسی جنگلی کو ہاتھ میں تھامی ہوئی صلیب لٹاتا ہو ”ادھر بونے برگ میں — وہاں ہوزری کی بہترین مشینری مینوفیکچر ہوتی ہے۔ ادھر لاؤ اور ادھر ایک فیکٹری لگاؤ —“



”ہاں — شاید میں ایسا ہی کروں۔“

”لیکن تم یونے برگ تب آؤ جب ہم وہاں ہوں —“ مشالکہ کرمس کے موز میں کچھ گے کچھ پیسی ہو رہی تھی اور یہ معمول کی بات تھی اور خوشگوار بات تھی کہ کب تینوں میں سے کوئی ایک تو تھا جو کرمس سپرٹ برقرار رکھے ہوئے تھا — ہاں ڈیوڈ کرمس بھی سپرٹ اثر کر چکی تھی۔

پانی کے برسنے میں شدت آچکی تھی اسی لیے کال نیل کی آواز اُس میں دبا ہوا بہت دور سے آئی۔

اُن تینوں نے اُدھر دیکھا جدھر ڈیوڈ کھڑا تھا اور وہ جاچکا تھا — فوراً ہی ایک سے پاؤں تک نچرتا ہوا شرمندہ ہوتا ہوا مردان اپنے فوجی کٹ بالوں کے کھردرے پہاں سلاتا اندر داخل ہوا اور قالین کو اپنے بدن سے نچرتے پانی سے بچانے کی خاطر دروازے کے قریب رُک گیا ”ہیلو —“

”ہیلو —“ راڈنی نے اُٹھ کر اسے بغور دیکھا اور پھر پہچان گیا ”ویل کم مردان۔“ پلیز کم ران۔۔۔“

”تھینک یو لیکن میں بہت زیادہ بھیگا ہوا ہوں اور آئی ایم ساری آپ کا قالین۔“

”اِس کرمس —“ مشالکہ پھر ہنسی اور اس کی تمام تر توجہ ملٹری اکیڈمی کاکل جان لیوا ٹریننگ میں سے بچ نکلنے والے اس اکڑے ہوئے صاف اور سیدھے اور ہینڈ سم لڑکے کی طرف مبذول ہو گئی۔ وہ اُسے بہت پُرکشش اور مختلف لگ رہا تھا اور کرمس ناٹ میں... اطالوی وائسن کے بعد... متعدد گلاسوں کے بعد آنکھوں میں ظاہر ہونے والے ستاروں کی روشنی میں وہ بہت ہی دل فریب اور دل مسلنے والا تھا... اگرچہ کم ران اور اُس نے ایک ہچکی بھری ”نیور مائنڈ دے کارپٹ — آگے آ جاؤ۔“

وہ ذرا جھجکا ”کم آن —“ مشالکہ نے ہاتھ آگے کر دیا ”کیئر فار سم وائسن۔“

”نو تھینکس — آئی ڈونٹ ڈرنک —“

”ریئل —“ مشالکہ نے اُس کا ہاتھ تھام کر برابر کے صوفے پر بٹھا دیا۔ اُن بیٹھے ہی صوفے کی پوشش پانی جذب کرنے لگی اور اُس کا رنگ سیاہ ہونے لگا۔

”تم کیسے آ گئے؟“ مشاہد کا لہجہ اتنا سرد تھا کہ ہر ایک نے اس کی خنکی کو محسوس کیا اور مردان جان گیا کہ اُس نے اُس کی آمد کو پسند نہیں کیا۔

”بھائی جان میں تو... آج قائد اعظم ڈے کی چھٹی تھی اکیڈمی میں اور اس کے  
 ایک اینڈ بھی جڑ گیا تو سب کیڈٹس گھروں کو دوڑے... میں بھی... ٹرک پر بیٹھ کر آیا  
 میں... سب فل اور اُن میں ماؤں اور... بھائی بہنوں سے سخت اداس کیڈٹ  
 تھے... تو... گھر آیا تو آپ نہیں تھے۔ آپاچی نے بتایا کہ آپ ادھر ہیں تو میں... بھی  
 رونا پڑا اور... تو میں صرف آپ کو ملنے آیا تھا... میں چلتا ہوں —“ وہ اٹھا اور اکڑوں  
 لگا کر گیا۔

”مردان تم ہمارے ساتھ شریک ہو سکتے ہو —“ راؤنی نے سر ہلایا۔  
 ”ہمارے ساتھ کھانا کھاؤ — پلیز“ مشالکہ کا بہت دل چاہ رہا تھا کہ وہ ٹھہر جائے  
 کہانے کے دوران وہ اُس کے ساتھ فلرٹ کرے لیکن ظاہر ایسے ہوتا تھا جیسے وہ مشاہد  
 بہت قریب ہونے کے باوجود ایک فاصلے پر ہے۔

”نو تنہیک یو... میں... وہاں بھی ذر تیار ہے... سروس کا ساگ آپاچی نے... تو میں  
 لاہوں بھائی جان...“ وہ دو تین بار ادھر ادھر جھکا اور تیزی سے باہر نکل گیا۔  
 مشالکہ اٹھ کر کھڑکی کے قریب چلی گئی اور پردے پر ہاتھ رکھ کر باہر دیکھا۔ شیشوں  
 پرش کی بوندیں پھسل رہی تھیں اور اُن میں موم بیوں کی جھللاہٹ اور باہر کی تاریکی جو  
 لگی کھار بجلی کو نڈنے سے اٹھ جاتی اور ریلوے لائن اور چند کچے کوٹھے ظاہر ہوتے اور پھر  
 رانا کی کا پردہ پھر سے گر جاتا۔ ”وہ پتہ نہیں کس مصیبت سے یہاں پہنچا تھا... تم اُسے  
 لہنے کے لیے کہہ سکتے تھے۔“

”یہ آپ کا گھر ہے —“

”اوہ کم آن، آج کر مس ہے۔“

”آج کر مس ہے اور اس کے باوجود مردان مجھ سے چھوٹا ہے اور ہم دونوں کے  
 اہل ایک جاب ہے جو ہم قائم رکھتے ہیں —“  
 ”اے ہم مشرقی جاب بھی کہہ سکتے ہیں —“ مشالکہ کھڑکی سے الگ ہو کر اُس  
 کے سامنے آکھڑی ہوئی۔

”ہاں — ہم اُسے قائم رکھتے ہیں۔ ہم دونوں... ایک دوسرے کی موجودگی میں،  
 ایک دوسرے کی گھر میں، بے آرام رہتے۔ وہ مجھ سے بہت اداس تھا میں اُس کی آنکھوں میں  
 دیکھ سکتا تھا — اور جب اُس نے مجھے یہاں بیٹھے دیکھ لیا تو اُس کی آمد کا مقصد پورا ہو گیا

— تو پھر اُسے جانا ہی تھا —

راڈنی نے ایک مرتبہ پھر داڑھی میں کھجلی کرنا مناسب نہ جانا اور صرف کہہ  
سیکڑنے پر ہی اکتفا کیا ”اگر میں یہ منطق نہ سمجھ سکوں تو آپ مجھے معاف کر دیجئے؟  
لیکن میری ایک خواہش ہے اگر آپ دونوں کو کوئی اعتراض نہ ہو تو۔۔۔“

”مجھے اُمید ہے کہ اس خواہش میں شامل ہوں گی“ مشالکہ خوش ہو کر کہہ  
کی سپرٹ میں مبتلا ہو کر ذومعنی انداز میں ہنسی۔ اور وہ بار بار راڈنی کے سامنے ڈرا  
تھی، آگے بڑھتی تھی اور یوں اُس کا لونیٹک لباس اُس کے بدن سے پرے ہوتا تھا اور  
کی بے خبری پر ماتم کرتا تھا۔۔۔ ”تم جو خواہش کرو گے وہی پاؤ گے راڈنی ڈارلنگ —“  
”میری خواہش ہے کہ میں اس مبارک دن کی رات میں — اس بابرکت رات  
میں کھانے سے پیشتر ایک بار پھر مساذھا یسوع آج آیا سی۔۔۔ گاؤں — ہم تینوں پر  
نازل ہوں گی اس کا مجھے مکمل یقین ہے —“

وہ دونوں چپ سے ہو گئے تو راڈنی نے پھر کندھے سیکڑے ”اگر آپ کی م  
نہیں ہے تو کوئی بات نہیں، میں نہیں گاؤں گا —“  
”نہیں — مجھے تو کوئی اعتراض نہیں —“ مشالہ اس کے سوا اور کیا کہہ  
تھا۔

”اور مجھے بھی — کوئی اعتراض نہیں“ مشالکہ نے اپنی مایوسی کو عیاں نہ ہونے  
”لیکن ہارمونیم کے سامنے بیٹھنے سے پیشتر پلیز وائس کی ایک اور بوتل کپ بورڈ میں  
نکال لاؤ۔۔۔ مجھے بہت ضرورت ہے“ راڈنی کچھ دیر آنکھیں نیچی کیے بیٹھا رہا اور جب پورا  
اُس کے بولنے میں ناپسندیدگی کے ساتھ اُلفت بھی تھی ”وائس کے ساتھ تمہاری رُخ  
مناسب اخلاقیات سے تجاوز کر رہی ہے۔ ایک پریسٹ کی بیٹی۔۔۔“

”لیکن راڈنی — آج کرسمس ہے“ اُس نے پُر دوشٹ کیا اور اپنی دائیں ہاتھ  
بائیں پر رکھ کر گویا اپنی ناراضگی کے اظہار کے طور پر — ہلانے لگی۔  
”ایسی لیے — آج کرسمس ہے اسی لیے تو میں یسوع کی توصیف میں گناہ  
ہوں۔۔۔ ہم پر برکتوں کا نزول ہو گا مشالکہ“

”برکتوں کا نزول بعد میں لیکن — پہلے کپ بورڈ کی طرف جاؤ۔“

راڈنی اٹھا۔۔۔ اور اُس نے اپنی بیوی کی محبت میں ایسا ہی کیا۔

”اب میں برکتوں کے نزول کے لیے تیار ہوں —“ مشالہ نے نئی بوتل کو گھما کر پھیل پھلا اور سنجیدہ ہو کر اُس کی جانب دیکھنے لگی۔  
راڈنی نے ہارمونیم کے آگے بیٹھ کر پہلے چھت کی طرف دیکھا۔ پھر کیڑ پر انگلیاں

سازہایسوع آج آیا سی...

رحمت دامینہ درسیا سی... ہاآ... ہاآ... آ

ادبے کناں سائوں ترسیا سی...

رحمت دامینہ... ہاآ... آ

سازہایسوع...

رحمت دامینہ...

اُس میں سکیڈے نیوین حُسن کی ہر جادوگرنی موجود تھی — اُس کی آنکھیں  
لڑکی کی طرح بے جان اور بے بصر نہ تھیں بلکہ آئرش آنکھوں کی طرح نیلی اور  
آبی تھیں۔ دین آئرش آئز آر سائلنگ۔ بال صرف بھورے یا راکھ رنگ کے نہ تھے،  
میں دریائے سندھ کی ریت میں جیسے سونے کے ذرے چمکتے ہیں ایسے ایک مسلسل  
اپن تھا۔ ہونٹوں میں ایک خم تھا جو وہ بولتی چلی جاتی اور وہ سیدھا نہ ہوتا جیسے وہ کوئی  
دلی تھی۔ لیکن یہ معذوری ایسی تھی کہ دیکھنے والوں کے لیے اُسے دیکھنا مجبوری بن  
گئی۔ اور پھر اُس کا بدن گویا رافیل کی نیوڈز کی کاپی تھا۔ قدرے موٹاپے پر مائل اور  
سے پنا سے بال بال پتچا ہوا۔ اور نسل انسانی کے تسلسل کی ضمانت... اور اس کے  
دہلی کے ایک سویڈش چرچ کے سخت تنظیمی ڈھانچے میں ڈھل کر نکلنے والی مشالہ  
مشرق لڑکی کی طرح اُن چیزوں سے تقریباً نا آشنا رہی تھی جن سے اُس کی ہم وطن بچہ  
مائل سے پاؤں باہر رکھنے کے بعد ہی اپنی من مرضی سے آشنا ہو جاتی تھی۔

کیا وقت کے کسی آئندہ لمحے میں... ڈیلنی کے اوریکل نے کسی مستقبل کی ہوا پر  
ماتلاکہ... یعنی کیا یہ ممکن تھا کہ مشالہ ایزبرگ اسی گھر میں اسی صوفے پر اسی انداز  
پر لیٹن ہوگی اور کچھ زیادہ عرصہ بعد نہیں — یہی دو چار برس بعد — اور اُس کے  
بال جادوگری کا صرف شاہ رہ جائے گا۔ ایک شک ایک سایہ باقی رہ جائے گا — اور  
نیک اور حسن کے سائے میں بے رنگ آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے، لنگتی ہوئی کھال،

دُبلّا اور گھلتا ہوا بیمار بدن اور سینے کے ساتھ لگی ہوئی بے رُوح چھاتیاں اور ٹانگوں میں لپکتے ہوئے دیکھنے سے خوف آوے بلکہ چہرے کی طرف دیکھ کر نہ صرف خوف آوے بلکہ ہنسنے لگے۔  
 کرنے کو جی چاہوے۔

اسی صوفے پر جہاں مشاہد ہے اور راڈنی کا مساڑھا یسوع کا الاپ سن رہا ہے۔  
 صوفے پر دو نوجوان جن کی آنکھوں میں شہوت کے سوا کچھ نہ تھا مشاغل کو دیکھ کر ہنسنے لگے۔  
 آسان جنسی ملاپ سے بے چین ہوتے ہوئے بیٹھے ہوں گے اور مشاہد جو ابھی کچھ دیر پہلے  
 آیا ہے خجالت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ مشاغل سے کہے گا کہ میں تو تمہیں لاہور میں  
 خوش آمدید کہنے کے لیے آیا تھا، مجھے آج ہی راڈنی کے خط سے علم ہوا ہے کہ تم گذشتہ  
 ماہ سے یہاں ہو تو میں نے سوچا... تمہاری پاکستانی بیٹی بریگتا کیسی ہے؟... چلنے لگی ہے۔  
 بس یہی پوچھنے آیا تھا کہ تمہیں کسی چیز کی ضرورت تو نہیں... آئی ایم سوری تم... معذرت  
 ہو... میں چلتا ہوں۔ اور وہ مشاغل کے بازوؤں پر سرنجوں کے نشان نظر انداز کرتا ہے۔  
 نوجوانوں سے آنکھیں ملائے بغیر باہر نکل جاتا ہے — صرف وہ دونہ تھے۔ ہر روز شہر  
 یہ خبر پھیلتی ہے کہ اپر مال پر ظفر علی روڈ پر ایک پُر آسائش گھر میں ریلوے لائن کے کنارے  
 میں کچی آبادی کے سامنے ایک سویڈش خاتون ہے جو سرنجوں کی تمنائی ہے اور اُن کے  
 جو مزاج یار میں آئے۔

کیا وقت کے کسی آئندہ لمحے میں... کسی مستقبل کی ہوا میں یہ لکھا تھا —  
 لیکن ابھی تو لمحہ موجود میں مشاغل کی معصومیت اور جادوگری موجود تھی اور  
 کی آنکھیں نیلے کانچ کی طرح بے جان اور بے بصر نہ تھیں... مسکراتی تھیں۔  
 سندھ کی ریت میں سونے کے ذروں کا تسلسل تھا اور رافیل کی نیوڈز اُسے حد سے  
 تھیں۔

پانیوں کا بہاؤ چھت پر سے گر تالان کی گھاس میں بے آواز ہوتا تھا۔ بارش ہمارے  
 ممکن معلوم نہ ہوتی تھی۔ جیسے یہ سدا جاری رہے گی۔ موسم آب دائمی ہو چکا ہے۔  
 اب صرف بارش ہے اور بارش ہوگی — کہیں کہیں بجلی کا لٹکارا اور تاریکی کا پردہ  
 زمین کی صورت اور شکل دکھاتا ہے اور گر جاتا ہے... ڈیوڈ گل، دوست نرگ،  
 سپراؤٹس اور کرسمس کیک سرو کر کے اور کچن سے ڈائننگ روم میں آتے آتے  
 مناسب مقدار میں چکھ کر۔ اپنے ریلوے کوارٹر میں جا چکا ہے اور یہاں ایک مرتبہ

نہایت رکھتا ہے۔ مشالہ میں خمار کی آکس ہے اور وہ راڈنی کی طرف دیکھتی  
 وہ اٹھتا ہے۔ کیا وقت ہے؟ شاید تین بج رہے ہیں۔  
 مشالہ کا نشہ زینہ بہ زینہ نیچے آ رہا ہے اور وہ تھکاوٹ سے مسکراتی ہے ”اس  
 کون ہو سکتا ہے؟“

— وہ بھی مردان کی طرح نچڑا ہوا تھا۔

”میں اس کی بات نہیں سمجھ رہا مشالہ — کیا تم بتا سکتے ہو کہ یہ شخص کیا کہہ رہا

وہ بھی مردان کی طرح نچڑا ہوا تھا۔۔۔ سیاہ رنگت کا ایک عام سا چوڑا جس کے  
 درے سے لگتا تھا کہ یہ ابھی ابھی کسی کچڑ بھرے جوہڑ سے نکل کر ادھر آ گیا ہے اور  
 اس کے منہ سے اور آنکھوں سے سوائے غلیظ بھورے سیاہ بلبلے چھوڑتے کچڑ کی گندگی  
 اور کچھ نہیں نکل رہا۔۔۔ اُس نے اگرچہ معزز لگنے کے لیے ایک سفید پگڑی باندھ رکھی  
 اور اپنی سفید ہوتی مونچھوں کو بل دینے کی کوشش میں بے ربط کر لیا تھا لیکن اُس کی  
 چارگی اور ذات کی کمینگی اُس پر بوجھ بنی اُسے جھکائے جاتی تھی۔

”صاحب جی اللہ بھاگ لگے رہیں۔۔۔ جی میں کاموکی سے آیا ہوں، عیسائیوں کی  
 ہے۔۔۔ ابھی ابھی آ رہا ہوں صاحب جی۔ کرایہ بھی ایک یار بلی سے پکڑا ہے۔ گریب  
 ہوں۔ یہ سوڈن کا پازری صاحب ادھر ہمارے پاس آتا ہے اور ہمیں یسوع کی باتیں  
 کہتا ہے اور کہتا ہے کہ جب کبھی گلے کی بھیڑوں کو کوئی تکلیف ہو تو اسے آکر بتائیں۔  
 آ گیا ہوں صاحب جی اور مجھے آج بہت تکلیف ہے — ”وہ سردی سے، پانی کی  
 ٹوک سے اور اپنی بے حیثیتی سے کانپے چلا جا رہا تھا۔ اُس کی سیاہ ٹانگیں ناکانی اور گیلی  
 والی میں کینچنوں کی طرح دوہری ہوتی جا رہی تھیں اور سوائے اُس کے ٹھیکے دانٹوں کے  
 وہ بھی جب وہ بات کرتا تھا تو سوائے اُن کے اور کچھ اُس کی شخصیت میں واضح نہ ہوتا  
 بلکہ لفظ ”شخصیت“ اُس کے لیے نہ تھا۔۔۔

مشالہ نے راڈنی سے جو کچھ اُس نے بیان کیا تھا کہہ دیا۔

”ہاں ہاں — ” راڈنی نے ایک مذہبی راہنما کے تقدس کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے

اسے سر ہلایا اور مزید دانائی سے داڑھی میں کھلبلی کی ”اس کو کیا تکلیف ہے؟“

”مجھے صاحب جی۔ بہت جو تکلیف ہے تو ایسے ہے کہ میری جنانی نے اکو داری

— یکدم جی.. تین بچے جن دیئے ہیں۔ ایک تو باہر آتے ہی مر گیا اور مود باقی ہیں۔ یہ تو صاحب جی گیارہ پہلے سے ہیں... شیت بارہ ہیں.. تو میری جنانی کا دودھ سوکھ گیا ہے، جو کچھ نہیں.. باقی جو دو ہیں وہ بھی مرنے والے ہیں.. پتہ نہیں اب تک مر گئے ہوں اللہ بھاگ لگائے اس سوئڈن والے کو بتاؤ جناب جی کہ مجھے اُن کی کوئی لوڑ نہیں.. یہ کہ جی کہ مصیبت ہو تو آجائیں...

”میں اس کی سنوری پر یقین نہیں کر رہا“ راڈنی نے مشاہد کی طرف دیکھا لوگ اگرچہ میرے گلے میں سے ہیں لیکن مجھ سے پیسے بنورنے کے لیے طرح طرح کہانیاں تراشتے ہیں.. میں کامو کی جا کر خود چیک کرتا ہوں۔“

”اس وقت؟“ مشالک نے بیزاری سے بلکہ شدید بیزاری سے کہا۔

”صرف اس لیے کہ وہ سب یسوع کی بھیڑیں ہیں —“

”لیکن یہ تو کوئی وقت نہیں —“

”مشاہد — کیا یہ ممکن ہے کہ تم... اور میں بہت شکر گزار ہوں گا کہ تم اپنی

مشالک کے پاس بیٹھو... میں بہت جلد واپس آ جاؤں گا۔“

اُس سیاہ فام پگڑی باندھے ہوئے سوکھے اور بے توقیر بندے نے مشاہد کو ایک دیکھا اور ماتھے پر ہاتھ رکھ کر چلا گیا۔

جب صبح کا اجالا ہوا اور بارش تھم چکی تھی تو دونوں موم بتیاں اپنی بلند قامتی پکھل پکھل کر مختصر کرتی میز کی سطح تک آ کر سرد موم کی تہہ میں بدل چکی تھیں۔

صبح کے اجالے میں، تو نے ہم سفر دیکھا.. چھاؤں کی غلیبیں ہیں.. دھوپ۔

جزیرے ہیں۔ جب راڈنی کامو کی سے واپس آیا اور وہ یسوع کی طرح پھیلے ہوئے ہوا

میں دو چیتھڑے سے اٹھائے ہوئے تھا — ”میں یسوع کی ان دو نومولود بھیڑوں کو کاٹا

یا کامونکے سے لے آیا ہوں۔ میں نہ لانا تو یہ مر جاتیں۔ اُنھوں مشالک انہیں دودھ پلاؤ۔

مقدس باپ نے تمہیں دو بچوں کی ماں بنا دیا ہے —“

ساڈھا یسوع آج آیا سی۔

ایک Stray Bullet کیا ہے؟

Stray — راہ راست سے ہٹ جانا — گمراہ ہو جانا، بھٹکنا، بھک جانا، پچھڑ جانا  
— بکا ہوا، آوارہ، لاوارث، اتفاقی — بھولا بھٹکا۔  
Bullet — گولی

صرف ایک گولی اور اُسے کیسے کیسے عارضے لاحق ہو جاتے ہیں۔ راہ راست سے  
ٹ جاتی ہے۔ گمراہ ہو جاتی ہے۔ بھٹک، بھک اور پچھڑ جاتی ہے — لاوارث ہو جاتی

مجھے کسی بھی تعین پر اختیار نہیں اور یہ کوئی اور میرے راستے بدلتا ہے۔ کسی بھی  
بنا یہ اس لیے اختیار نہیں کہ وہ راہ راست سے ہٹ چکی ہے۔ اُس نے اللہ کی رسی کو  
لوٹلے سے نہیں تھما اور صراطِ مستقیم سے ہٹ چکی ہے۔

ڈیم ایٹ تمہارے گنس میں وہی فیلنگ ہوتی ہے جیسے سب کچھ باہر آنے کو ہو  
— دس از نو ایٹ پاکستان — ویرانی اور بھک جانے والی گولی کا موسم ہر جگہ ایسا  
آتا ہے کہ تمہارے گنس میں وہی قے آور فیلنگ کلبلاتی ہے.... جیسور میں؟ — نہیں  
— ہاں باڑیا میں؟ — نہیں...

نارتھ ناظم آباد جاتے ہوئے — لیاقت آباد میں —  
سنان سنانے میں داخل ہو کر اُس کا ایک حصہ بن کر سفر کرتے ہوئے.. جب کہ  
ایک افسا خالی اور منتظر ایک... سترے بلٹ کے لیے۔

ریڈ آرٹ ان شی —

مذہب، نسل اور سیاست..

جنر انائی جیشیتیں بدل رہی ہیں... کراچی یا بیروت..



ہوا پورب کے رُخ چل رہی ہے  
میں اپنا منہ دکن کی طرف موڑ لوں گا۔

کیونکہ ہوانے میرے دماغ کو مُردوں کی عفوئیت سے پریشان کر دیا ہے۔  
خلیل جبران میڈیکل کاسٹوڈنٹ نہیں تھا اور اسی لیے اس کے دماغ کو مُردوں کی  
عفوئیت پریشان کر دیتی تھی... یہاں سب میڈیکل کے سٹوڈنٹ ہیں۔

لاشیں آغا خان ہسپتال پہنچا دی گئی ہیں۔ براہ کرم تشریف لائیں اور اپنے اپنے  
عزیز واقارب کو پہچان کر گھر لے جائیں... مُردے کی طرف دھیان دیں خواتین و حضرات  
— بلکہ مُردوں کی طرف۔

کرفیو تو نہیں تھا۔ ریجنرز کی جیپیں ایک ویران خلا میں ناک کی سیدھ میں چلتی جا رہی  
تھیں... وہ بھی ہر آہٹ پر ٹھٹھکتی تھیں اور اُن میں اپنے ستانے میں بند وردی پوش  
قسمت کو کوستے تھے۔ ایک بلند آدرش کے لیے قربانی دینے کے لیے ضروری ہے کہ درم  
کی نشاندہی ہو — بلکہ آدرش کی نشاندہی ہو جائے تو بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ یہاں  
Stray Bullet کیا ہے؟ — راہِ راست سے ہٹ جانا... گمراہ ہو جانا — بہک جانا۔  
اور کون بہک جانے والے کے راستے میں آئے... نہ جنت میں قیام نصیب ہو  
نہ قبروں میں رزق ملے۔

لیکن — ڈیوٹی از ڈیوٹی ڈیم اٹ... ریٹائرڈ جنرل صاحب کمال... ریجنرز کے  
دستے کے درمیان میں ویرانی اور ستانے میں کوئی بہکنے والی آواز کے لیے چوکس  
لگائے... ناٹ دس ٹائم یو راسکمز... وہاں کمک نہیں آ سکتی تھی اور ہم گھرے ہوئے تھے  
اور یوں بھی اُن کے خون میں میر جعفریت تھی... سراج الدولیت کے بارے میں لاعلم  
مناسب ہے۔ لیکن یہاں... نووے... ناٹ دس ٹائم یو راسکمز۔

زاہد کالے کی گرینڈ پارٹی کا پینگ اور اب تک تو نہیں چل سکتا تھا — لیکن  
رہا تھا۔ بے شک ایک گرینڈ پارٹی سوائے اُس سی ڈی باسٹرڈ کے... صاحب کمال جی کم  
ان نوٹوں کی ایک گندی تو ان گشتیوں پر وارد کیجئے مجھ پر احسان ہو گا... میری خوشی کا  
خیال کیجئے... اور وہ ڈیم نوٹس بلی کاپروں کی طرح الگ الگ دھیرے دھیرے  
تھے... اور نیچے بنگل نہ تھا بیکنگ کی پتلیاں تھیں۔

نرسیں اور زخمی جوان سر —

کچھ مضائقہ نہیں — اس لیے کہ ریکارڈ پر تاریخ کے صفحات پر کچھ درج نہیں  
 اور سنٹ ایکسپریس کے مرڈر میں تمام مسافر شامل ہیں اس لیے کون درج کرے گا  
 کون؟ سب نے اپنے اپنے حصے کے وار کئے تھے... اپنے خلاف کون گواہی درج  
 لے... چنانچہ کانڈ کورے کے کورے رہتے ہیں... اس لیے کچھ مضائقہ نہیں.. برما کے  
 بچے جنگوں پر ہیلی کاپٹر کا سایہ لڑھکتا ہوا چلا جا رہا تھا اور پیچھے بہت پیچھے نرسیں اور زخمی  
 جانے جنہیں اتار کر وہ سوار ہو گیا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ مستقبل میں کانڈ کورے رہیں

ویرانی میں سڑکیں کتنی وسیع اور فراخ ہو جاتی ہیں..  
 اس وسعت میں ایک سفید فوکس واگن کھڑی تھی۔

کانوائے رُک گیا۔

تمام آنکھیں اُس مینڈک نما پرانی کار پر رکتی گئیں جو گہری خاموشی میں.. سکوت  
 تھا۔ گویا اُس کے وہاں ہونے سے یہ خاموشی تھی — سکوت تھا۔ وہ نہ ہوتی تو وہاں  
 ٹوڑ ٹوٹا ہوتا اور شہر کی ٹریفک رواں دواں رہتی۔

اُس میں کچھ بھی ہو سکتا تھا۔

کانوائے تب تک رُکا رہا اور صاحب کمال کا سانس بھی جب تک کہ فوکس واگن  
 کے پچھلے حصے میں سے کسی نے سر اٹھا کر رُکے ہوئے کانوائے کو خوف سے نہ دیکھا..  
 انہوں نے کچھ توقف کیا.. اگر کچھ ہونا تھا تو اس وقفے میں ہو سکتا تھا — لیکن  
 کچھ نہ ہوا — اس لیے صاحب کمال جیپ سے اُترا — اُسے اتنے برس گزرنے کے  
 باوجود ایبوش چوایشن کی عادت تھی — یہ بھی ایک ایسی چوایشن ہو سکتی تھی — لیکن  
 جیپ سے اُترا۔

فوکس واگن کے انجن پر سے سر اٹھائے سیاہ آنکھوں والی ایک دھان پان لڑکی نے  
 اسے اپنی طرف آتے دیکھا تو اُس کی آنکھیں حیرت اور شرمندگی سے مزید کھل گئیں۔  
 ”ینگ لیڈی، کین آئی ہیلپ یو؟“

صاحب کمال کے پیچھے ہتھیاروں کی بہتات پورے منظر میں سیاہی کو زیادہ نمایاں کر  
 رہی تھی.. اس کے باوجود یہ ایک پرفیکٹ ایبوش چوایشن تھی۔  
 ”جی — “ ینگ لیڈی کے ہاتھ میں متعدد تاریں تھیں اور اُبھی ہوئی تھیں اور

اُس کے گندی چہرے پر کہیں اُس کی اپنی انگلیوں کے نشان سیاہی میں ثبت تھے۔  
 کلاسیوں اور فخرے حضرات کے لیے فوکی سے بستر اور کوئی کار نہیں سر۔  
 کالیکٹرک سٹم بندے کو ذلیل و خوار کرتا ہے... تو یہ ابھی ابھی... کھڑی ہو گئی ہے۔  
 نہیں کوئی تار کہاں سے پلٹ پڑی ہے۔

صاحب کمال نے گردن موڑ کر ہتھیاموں کی سیاہی کے پس منظر کو دیکھا اور اُس  
 میں سے بی ایم ای کا ایک ریٹائرڈ حوالدار آگے آگیا۔ حوالدار شاہ زمان کی ایک عمر نو جوانی  
 نیم لفٹیننٹ کی فوکیوں کی تاریں مرمت کرتے اور بیٹریاں درست کرتے گذری تھی اُس  
 لیے وہ آگے آیا اور انجن پر جھکا، چند تاروں کو ادھر ادھر جوڑ کر اور انہیں تھپک کر پیچ  
 ہٹ گیا۔ ”سر شارٹ کریں۔“ اُس نے یگ لیڈی سے کہا۔

سر، یعنی یگ لیڈی نے ایک بھیگی سی مسکراہٹ حوالدار کی جانب دکھائی اور فرزند  
 سیٹ پر بیٹھ کر ایک مرتبہ پھر چابی گھمائی... اُس کی کلائی دُکھنے کو آئی تھی اسے گھما گھما  
 لیکن اس بار فوکی کا انجن زندہ ہو کر پھر پھڑانے لگا۔ اُس کے چہرے پر ایک ایسی طمانینہ  
 اور مسرت آئی جس نے چند لمحے پیشتر کی مکمل بے بسی اور خوفزدگی کو بھلا دیا۔  
 ”تھینک یو سر۔“

صاحب کمال کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے جب یگ لیڈی نے، تھینک یو سر کہا  
 اُس کے بدن کے اُن گنت پُر زوں میں سے ایک پُر زہ جھٹکے کے ساتھ رُکا اور فوراً پھر  
 چلنے لگا لیکن اُس ایک لمحے کے رُکنے میں، اُس سکوت میں شکلیں اور صورتیں نقش ہو  
 جو مٹی تھیں اور بنتی تھیں اور پھر مٹی تھیں اور وہ بہت کوشش کرتا تھا کہ وہ نہ مٹی اور  
 انہیں مسلسل اور غور سے دیکھ کر جان لے کہ یہ کس کی اور کہاں کی شکلیں تھیں۔  
 لیکن وہ غور کرنے سے پیشتر ہی مٹ جاتی تھیں اور کانڈ کو راہو جاتا تھا۔

”اِن حالات میں تمہیں گھر سے نہیں نکلنا چاہئے یگ لیڈی۔“  
 یگ لیڈی کے سلونے چہرے اور ہونٹوں پر دانتوں کی سفیدی نمایاں ہوئی۔  
 ہمیشہ ایسے ہی حالات ہوتے ہیں سر۔ فائنل ایر ہے۔ آئی کانٹ انورڈ نو ماس  
 کلاسز۔“

”فائنل ایر؟“

”جی سر۔ آغا خان یونیورسٹی میڈیکل کالج۔“

”اؤہو۔ ڈاکٹر ان دے مینگ —“

”پھر ان دے مینگ سر — وئی آر آل پھر —“

بگ لیڈی نے مزید مذاکرات فضول سمجھے کہ ان کے دوران فوکی ایک مرتبہ پھر  
مردک دینے والی پھٹ پھٹ کر کے خاموش ہو سکتی تھی اور وہ ایکسٹریڈبا کردانتوں  
خفیدی نمایاں کرتی ہوئی ہاتھ ہلا کر چلی گئی۔

صاحب مکمل وہیں ایبوش پجوائشن میں تادیر کھڑا رہا۔ اُس کے عقب میں ریجنرز  
منظر میں ہتھیاروں کی سیاہی بھر رہے تھے اور بے راہ رو، بھٹک اور ہمک جانے  
والی کی جھک میں مبتلا کھڑے تھے صرف اپنے اندر یہ سوال دوہرائے جاتے تھے کہ یہ  
یہاں سے ہلتا کیوں نہیں — واپس اپنی جیب میں جا کر کیوں نہیں بیٹھتا — یہاں کھڑا  
اُس معدوم ہوتے ہوئے فوکس واگن کے نقطے کی جانب کیوں نکلے جا رہا ہے۔

وئی آر آل پھر —

وہ پڑھ ایک لمحے کے لیے پھر سے تھے تو شکل دکھائی دے...

بگ لیڈی کی فوکس واگن لیاقت آباد کے ستانے میں اور ایک مکمل ویرانی میں  
بگ دکھائی دیتی رہی، وہ دیکھتا رہا۔

”مردے کی طرف دھیان دیں خواتین و حضرات —“

فلاطین کی یو میں ڈائی سیکشن ہال میں ہر مردے پر دو دو سر جھکے رہے اور اُن میں  
لانے بھی کچھ نہ کہا — کسی بھی رد عمل کا اظہار نہ کیا کیونکہ وہ مردے کی طرف  
بلیں دے رہے تھے۔

”واہ —“ صباحت بیگم نے حسب عادت زبان سے ایک پٹاخہ سا چلایا اور یہ ایک  
آتم کا پٹاخہ تھا کیونکہ اُس کا خیال تھا کہ اُس کی، مردے کی طرف دھیان دیں خواتین  
حالت کی درخواست کے ری ایکشن میں کوئی نہ کوئی پھر کچھ نہ کچھ کہے گا — اور  
لانے کچھ نہ کہا اور سب اپنے اپنے مردے یا مردے کے کسی حصے پر جھکے رہے۔

سہا لوگ بمشکل پہنچے تھے۔

ویرانی جو شہر میں طاعون کی طرح پھیلتی تھی وہ اُس میں سے گزر کر بمشکل یہاں  
پہنچے۔ اُن کے حواس پر ابھی تک اُس ستانے کی چپ تھی جس میں سے گزر کر وہ